11

تقدیر کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اختیار میں رکھا ہے اس میں کوشش اور تدبیر کے بغیر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کرتا

جو چیزیں خدا تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہیں وہ تم نے ہی کرنی ہیں ان کے متعلق محض توکل کرنا غلطی ہے

(فرمودہ 28 مئی 1954ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کے دو حصے کیے ہوئے ہیں۔ تقدیر کا ایک حصہ اس نے اپنے بندوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ اگر وہ بندوں کے سپرد نہ کرتا تو بندوں کے پاس اس کے نفاذ کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ دوسرا حصہ اس نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ اس دوسرے حصہ میں سے کچھ تو اس شکل میں ہے کہ دائمی طور پر اُس کا وہ قانون چلتا ہے اور کچھ اِس طور پر ہے کہ اس کا قانون وقتی طور پر چلتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے کہ

دیکھو! خدا تعالیٰ نے زبان بنائی ہے۔ ایک طرف تو انسان کو اتنی آزادی حاصل ہے کہ وہ اس زبان سے خدا تعالیٰ کو بھی گالیاں دے لے تو اس کے لیے کوئی روک نہیں اور لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک چشم دید واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص جو بعد میں احمدی ہو گیا تھا اس کا بچہ فوت ہو گیا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد صاحب یا آپ کے بڑے بھائی کے گلے لگ کر چیخ مار کر کہنے لگا خدا تعالیٰ نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے کہ اس نے میرا بچہ مار دیا۔ اس طرح اپنی زبان سے اُس نے شکوہ بھی کر لیا، اُس نے خدا تعالیٰ کو ظالم بھی کہہ لیا اور خدا تعالیٰ کے متعلق اس کے دل میں انقباض بھی پیدا ہو گیا۔ مگر دوسری طرف اگر اس زبان کے سامنے دنیا کے تمام بادشاہ، وزراء، علماء اور فقہاء ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ میٹھے کو کھٹّا چکھ یا کھٹّے کو کڑوا چکھ تو وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔ وہ میٹھے کو میٹھا ہی چکھے گی اور کھٹّے کو کھٹّا ہی چکھے گی۔ گویا ایک طرف اللہ تعالیٰ نے زبان کے متعلق انسان کو اتنی آزادی دی ہے کہ اگر وہ چاہے تو خدا تعالیٰ کو بھی گالیاں دے لے اور دوسری طرف اس میں اتنی طاقت بھی نہیں رکھی کہ وہ میٹھے کو کڑوا چکھے یا کڑوے کو میٹھا چکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر کا ایک حصہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور اسے کہا ہے کہ وہ خود کام چلائے، اس میں اپنی عقل کو استعمال کرے۔ اور دوسرا حصہ اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جو حصہ اُس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے وہ بدل نہیں سکتا۔ مثلاً میٹھا، میٹھا ہی رہے گا اور کڑوا، کڑوا ہی ہو گا۔ ہاں! اس کے قانون کے ماتحت وہ بعض اوقات بدل بھی جائے گا مثلاً کسی کا جگر خراب ہے تو اسے میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے یا بعض خرابیوں کی وجہ سے نمک تیز لگتا ہے، میٹھی چیز میں مٹھاس کم معلوم ہوتی ہے، کڑوی چیزیں پھیکی معلوم ہوتی ہیں یا پھیکی چیزیں کڑوی معلوم ہوتی ہیں۔ غرض تقدیر کا وہ حصہ جو خدا تعالیٰ نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے وہ تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس میں تبدیلی واقع ہو گی تو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے ماتحت ہی ہو گی۔ تم اگر چاہو بھی تو اسے بدل نہیں سکتے۔ ہاں! جو حصہ تقدیر کا انسان کے سپرد ہے اس میں جو چاہے کرے خدا تعالیٰ نے اس میں کوئی روک پیدا نہیں کی۔ مثلاً زبان انسان کے قبضہ میں ہے۔ وہ اگر چاہے تو باپ کو گالیاں دے لے، حکومت کو بُرا

کہہ لے، استاد کو بُرا کہہ لے، وہ اگر گالی چاہے تو اپنی ہر عزیز ترین چیز کو غلیظ گالی دے لے لیکن جو حصہ اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس میں انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تقدیر کا جو حصہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس میں وہ انسان پر الزام نہیں دیتا لیکن جو حصہ اس نے انسان کے ہاتھ میں دیا ہے اُس کے نتائج انسان کے کام کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ چاہے وہ اپنے لیے پھانسی کا حکم دے لے۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کو کہہ دے گا اُسے پھانسی لگنے دو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ بعض لوگ اپنے گلوں میں رسّے ڈال کر خودکشی کر لیتے ہیں؟ خدا تعالیٰ اس میں کوئی روک پیدا نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے میرا اِس میں کوئی دخل نہیں۔ تم اگر گلے میں رسّہ ڈال کر پھانسی لیتے ہو تو تمہیں پھانسی مل جائے گی۔ ہاں! موت کے بعد میں تمہیں جہنم میں ڈالوں گا۔ دنیا میں مَیں تمہیں نہیں روکوں گا۔ یا کوئی شخص اسلام کے خلاف تقریر کرتا ہے، خدا تعالیٰ کے رسول کے خلاف تقریر کرتا ہے، قرآن کریم کے خلاف تقریر کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کی زبان کو چلنے دیتا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں وہ چیزیں ہیں جن پر انسان کو اختیار حاصل نہیں۔ ان میں اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ چاہے وہ کتنا زور لگا لے۔ مثلاً تمہاری انگلی ہے اگر تم اسے سُوئی کے ناکا میں ڈالنے کی کوشش بھی کرو تو اس کو ناکا میں نہیں ڈال سکتے۔ خواہ کوئی جرنیل ہو، نواب ہو، بادشاہ ہو، دنیا کی بڑی سے بڑی حکومت اس کے پاس ہو لیکن وہ اپنی انگلی سوئی کے ناکہ میں نہیں ڈال سکتا۔ یا مثلاً میٹھا ہے تم اگر چاہو بھی تو اسے کڑوا نہیں چکھ سکتے۔ کڑوا ہے تو میٹھا نہیں چکھ سکتے۔ آواز ہے اگر تمہیں کسی عزیز کی آواز آ رہی ہے تو تم اگر چاہو بھی تو اُسے کسی دوسرے شخص کی آواز نہیں بنا سکتے۔ کسی کے ہاں بدصورت لڑکا پیدا ہوا ہو تو اگر وہ چاہے کہ وہ خوبصورت ہو جائے تو وہ اُسے خوبصورت نہیں بنا سکتا۔ کسی کے لڑکے کا قد چھوٹا ہے تو اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ اس کے قد کو لمبا کر لے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو چیزیں خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں رکھی ہیں اُن کے متعلق ہمارا یہ خیال بالکل غلط ہو گا کہ ہم سمجھیں کہ ان کے نتائج خدا تعالیٰ پیدا کرے گا۔ جو چیزیں خدا تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھی ہیں اُن کا ایک ہی طریق ہے کہ ہم ان کے متعلق کوشش اور تدبیر سے کام لیں گے تو ان کا نتیجہ برآمد ہو گا ورنہ نہیں۔ مسلمانوں کی تباہی کا

موجب یہی بات ہوئی ہے کہ انہوں نے تدبیر چھوڑ دی۔ انہوں نے اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے خود کوشش کرنا ترک کر دیا تھا۔ دشمن نے فوجیں تیار کر لیں، اس نے توپیں ایجاد کیں، گولہ بارود ایجاد کیا، اور ملک کو منظّم کر کے مضبوط حکومت قائم کر لی، مستقل خزانے قائم کیے، ملازموں کی معقول تنخواہیں مقرر کیں تا وہ رشوت نہ لیں لیکن مسلمان اپنے پرانے طریق پر چلتے چلے گئے۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ خزانے بادشاہ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ جہاں چاہے خرچ کر لے۔ فوج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔، سڑکوں کا کوئی انتظام نہیں تھا، بادشاہ اپنا خزانہ عیاشی میں لُٹا دیتا تھا، کسی بادشاہ سے لڑنے چلے تو اُس نے ملک میں اعلان کر دیا۔ اِس پر کوئی جلاہا آگے نکل آیا، کوئی دھوبی آ گیا، کوئی لوہار باہر نکل آیا، کوئی بَنیا ہے تو اُس نے تکڑی ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے اور دشمن پر غصہ کا اظہار کر رہا ہے، کوئی قصاب ہے تو وہ اپنی چُھری تیز کر رہا ہے لیکن کُجا منظّم فوج اور کُجا یہ غیر منظّم لوگ۔ غیر منظّم لوگ ہزار بھی ہوں تو پانچ منظّم سپاہی انہیں شکست دے سکتے ہیں کیونکہ انہیں حملہ کرنے کا طریق نہیں آتا، انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصول کے ماتحت دائیں بائیں ہو کر کس طرح لڑا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بیوقوف بادشاہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ قصاب لوگ روزانہ بکرے کاٹتے ہیں۔ انہیں اس کام کی خوب مشق ہے۔ اس لیے کیوں نہ ان سے فوج کا کام لیا جائے اور فوج پر جو لاکھوں روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں انہیں بچایا جائے۔ چنانچہ اس نے فوج کو ہٹا دیا اور ملک کے قصابوں کو حکم دیا کہ اگر ملک پر حملہ ہوا تو وہ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ کسی ہمسایہ بادشاہ نے سنا کہ اس ملک کا بادشاہ ایسا بیوقوف ہے کہ اس نے فوج کو ہٹا دیا ہے اور قصابوں کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے حکم دیا ہے۔ تو اس نے حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے اپنے وزراء کو حکم دیا کہ ملک کے سارے قصاب جمع کرو تا وہ دشمن کی فوج کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ ملک کے سارے قصاب جمع کر لیے گئے۔ قصاب لوگ صرف بکرے ذبح کرنا جانتے تھے۔ انہیں جنگ کا کیا پتا تھا۔ وہ ہنستے کھیلتے اور چُھریاں ہاتھ میں پکڑے دشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے چلے گئے۔ گویا وہ بکرے ذبح کرنے جا رہے ہیں۔ جب دشمن سامنے آیا تو اس کے ایک سپاہی کو پکڑ کر کوئی اس کا سر پکڑتا، کوئی ٹانگیں

مضبوطی سے پکڑتا اور پھر اس کی گردن پر چُھری پھیرتا۔ لیکن دشمن نے بے تحاشا نیزے مارنے شروع کیے۔ پندرہ بیس قصاب مرے تو باقی شہر کی طرف بھاگے اور فریاد فریاد کہتے ہوئے دربار میں پہنچے۔ اور بادشاہ سے کہنے لگے بادشاہ سلامت! دشمن کے سپاہیوں کو سمجھائیں کہ ہم تو باقاعدہ اُن کی ٹانگیں اور بازو پکڑتے ہیں، قبلہ رُخ لِٹاتے ہیں اور پھر گردن کاٹتے ہیں لیکن وہ یونہی تلوار چلاتے چلے جاتے ہیں یہ کوئی اصول نہیں۔ یہ بے اصولا پن ہے۔ ابھی وہ قصاب بات کر رہے تھے کہ دشمن کی فوج شہر میں داخل ہوگئی اور اس نے بادشاہ کو قید کر لیا۔

پس جو باتیں انسان کے سپرد ہیں وہ جب بھی ان کے متعلق کوشش کرنا ترک کرے گا، دھوکا کھائے گا اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ مسلمانوں نے توکّل توکّل کا ورد کرنا شروع کیا۔ نہ خزانوں کا انتظام کیا گیا اور نہ ٹیکس لگائے گئے۔ یا کسی پر ٹیکس لگا دیا اور کسی پر نہ لگایا، ہائی کورٹ کے جج ہیں تو اُن کی تنخواہ پچیس روپے ماہوار ہے، دوچار افسر مقرر ہیں، سپاہیوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو سب لوگوں کو باہر نکلنے کے لیے کہہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی طاقتوں نے مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتوں کو شکست دے دی۔ بخارا کی حکومت بڑی بھاری حکومت تھی۔ اس نے ایک طرف ایران کو اپنے ماتحت کر لیا تھا تو دوسری طرف بغداد کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ وہ سندھ تک فتوحات کرتے چلے آئے۔ لیکن جب اس حکومت پر روس نے حملہ کیا تو یہ اس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکی۔ روس کی فوجوں کے پاس توپیں تھیں، گولہ بارود تھا، زمانہ کے مطابق دوسرے ہتھیار تھے لیکن بخارا کی حکومت نئے سامانِ جنگ سے محروم تھی۔ جب اس نے توپیں بنانے کا حکم دیا تو مولویوں نے فتوٰی دے دیا کہ یہ جائز نہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کا عذاب اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ بادشاہ نے کہا دشمن ان توپوں کے ذریعہ تین تین میل تک حملہ کرتا ہے۔ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں گے؟ مولویوں نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے کہ دشمن تین تین میل سے توپ سے گولہ پھینک سکتا ہے۔ بہرحال مولویوں کے اعتراضات کی وجہ سے حکومت نے توپ خانہ توڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب روس نے حملہ کیا تو گو اس کے پاس بہت کم فوج تھی لیکن چونکہ ان کے پاس نئے نمونہ کے ہتھیار تھے اس لیے انہوں نے دو دو، تین تین

میل کے فاصلہ سے مسلمان فوج کے پرخچے اُڑانے شروع کیے۔ مولوی باہر نکلے اور آیات قرآنیہ پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے۔ دشمن نے جب دیکھا کہ پاگلوں کا ایک گروہ ہاتھوں میں تسبیحیں پکڑے آگے بڑھ رہا ہے تو اس نے ایک گولہ ان پر پھینکا۔ اِس پر وہ سحر سحر کرتے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگے اور بادشاہ کے پاس آ کر کہا یہ تو سحر ہے۔ آیات قرآنیہ بھی اس پر اثر نہیں کرتیں۔ اب اس فوج کو تم خود سنبھالو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی بخارا جو مسلمانوں کی ایک مضبوط سرحدی چوکی تھی آج عیسائیت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اب اس جگہ سے کمیونزم دنیا پر حملہ کر رہا ہے۔

پس تم یاد رکھو! کہ جو چیزیں خداتعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہیں وہ تم نے ہی کرنی ہیں۔ ان کے متعلق توکّل کرنا اور اس کا نام خداتعالیٰ کی مدد رکھنا بالکل جھوٹ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض لوگ جنہیں کام کرنے کی عادت نہیں ہوتی جب اُن سے پوچھا جائے کہ فلاں کام کیسے ہو گا؟ تو وہ کہہ دیتے ہیں آپ کی دعا سے ہی یہ ہو گا۔ ایسا ہی ایک کوتاہ عقل میرے پاس سندھ کی زمینوں پر کام کرتا ہے۔ اُس کی عادت ہے کہ جو بات میں کرتا ہوں وہ کہتا ہے کہ آپ کی دعا سے یہ کام ہو گا۔ میں نے اِس دفعہ اُس سے کہا کہ یہ کام تم نے ہی کرنا ہے اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو فصل کا بیڑا غرق ہو جائے گا میری دعا نے کچھ نہیں کرنا۔ خداتعالیٰ نے یہ کام تمہارے سپرد کیا ہے اورتم نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کرنا آپ کی دعا سے سب کچھ ہو گا۔ اس لیے کام کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ چنانچہ واقع میں کام کا بیڑا غرق ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے مختلف نظریے بنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً انفرادی زندگی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اور جو لوگ اِس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ بالعموم فاقوں مرتے ہیں نہ اُن کے تن پر کپڑا ہوتا ہے اور نہ انہیں پیٹ بھرنے کو کچھ میسر ہوتا ہے۔ پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا لیکن اگر ساتھ ہی کوئی بات ہو جائے تو وہ کہتے ہیں یہ جنّوں، بھوتوں یا دیویوں کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ اتفاقی حادثے کے طور پر اُن کے بعض کام ہو جاتے ہیں لیکن جہاں عمل کی ضرورت ہوتی ہے یہ لوگ

فیل ہو جاتے ہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں انسانی عقل اور تدبیر کا بھی دخل ہے۔ ان کے بیٹے کو اگر کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ ڈاکٹر سے علاج کراتے ہیں اور جہاں تک علمِ طب نے ترقی کی ہے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں سے آرام میں رہتے ہیں اور جہاں انسانی علم نے کوئی دوا ایجاد نہیں کی وہاں یہ لوگ شخصی موت تو مر جاتے ہیں لیکن قومی زندگی کا موجب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ جس قوم میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم نے فلاں مرض کا علاج ایجاد نہیں کیا حالانکہ خداتعالیٰ نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہوا ہے تو وہ اُس کا علاج تلاش کرتی ہے اور کوئی نہ کوئی دوائی ایجاد کر لیتی ہے۔ اِس طرح جو شخص علاج میسر نہ آنے کی وجہ سے مر جاتا ہے وہ نئی دوا ایجاد کروانے کا موجب ہو جاتا ہے۔ اِس طرح مرنے والا شخصی موت تو بیشک مر جاتا ہے لیکن قومی زندگی کا موجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کینسر ہے۔ اِس کا پہلے سے کوئی علاج نہیں تھا۔ اِس کا علاج نکال لیا گیا ہے اور اس علاج کے ذریعہ کینسر کے پندرہ بیس فیصدی مریض ٹھیک بھی ہونے لگ گئے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ممکن ہے کہ سائنس اس قدر ترقی کر جائے کہ کینسر ایک معمولی مرض بن کے رہ جائے۔

غرض قانونِ قدرت نے بعض کام ہمارے سپرد کیے ہیں اور ہم اپنی تدابیر کے ذریعہ ان کو بہتر طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ اگر ہم وہ کام نہ کر سکتے تو خداتعالیٰ ہمارے سپرد وہ کام نہ کرتا۔ خداتعالیٰ انسان کے سپرد وہی کام کرتا ہے جس کا مادہ اُس میں موجود ہوتا ہے اور ایسی تمام چیزیں اس نے انسان کے اختیار میں دے دی ہیں۔ اِسی وجہ سے دنیا میں نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں اور سائنس دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ کسی وقت اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی یہی حالت تھی۔ مسلمان علماء دن رات ایجادات میں لگے رہتے تھے۔ مثلاً طب ہے۔ مسلمانوں نے اسے کمال تک پہنچایا اور آج بھی یورپین طب کے مقابلہ میں ہماری طب کو بعض باتوں میں امتیاز حاصل ہے۔ سرجری میں بیشک یورپین طب نے کمال حاصل کر لیا ہے لیکن علاج کے سلسلہ میں ہماری طب کو بعض باتوں میں فوقیت حاصل ہے اور یہ مسلمان علماء کی محنت کا نتیجہ ہے کہ ہماری طب بعض باتوں میں آجکل کی طب پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔

پھر اِس کے اوپر ایک اَور گروہ ہے جو دنیوی تدابیر کے ساتھ ساتھ دعا کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جہاں انسانی عقل رہ جائے وہاں خداتعالیٰ سے دعا کے ذریعہ استمداد کی جائے تو کام میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ اَور بھی محفوظ ہیں۔ لیکن ایک موقع ایسا بھی آتا ہے کہ خداتعالیٰ انسان کو کہتا ہے کہ اب تیری زندگی دنیا میں بیکار ہے۔ اب تُو میرے پاس آ جا۔ یہاں نہ احتیاط اور پرہیز کام کرتا ہے نہ دعا کام کرتی ہے۔ انسانی تدابیر بھی تمام کی تمام بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں اور دعا بھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔

یہی حال قومی زندگی کا ہے۔ اس میں بھی بعض باتیں خداتعالیٰ نے اپنے قبضہ میں رکھی ہیں اور بعض باتیں اس نے انسانوں کے سپرد کر دی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب دعوٰی فرمایا تو کفار نے آپ کا مقابلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے آپؐ پر حملے کیے اور ہر طرح سے ایذا دہی شروع کر دی تو بعض موقع پر آپؐ نے یہ کہا کہ تم اپنی مظلومی کا اعلان کرو اور ماریں کھاتے جاؤ۔ پھر ایک وقت پر جا کر آپؐ نے یہ تجویز کی کہ تم حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جاؤ۔ پھر ایک موقع پر آپ نے مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور پھر بعد میں خود بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ اور جب دشمن پھر بھی ایذا دہی سے باز نہ آیا تو آپؐ نے خداتعالیٰ سے حکم پا کر صحابہؓ کو کفار سے لڑنے کا حکم دیا۔ گویا آپؐ نے خداتعالیٰ کی تقدیر کے مطابق مختلف مواقع پر مختلف قسم کے احکام صحابہؓ کو دیئے اور مختلف تدابیر سے کام لیا۔ اگر کوئی قوم ان تدابیر سے کام نہیں لیتی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب آپؐ نے صحابہؓ سے صبر کرنے کو کہا اُس وقت اگر صبر نہ کیا جاتا تو ظلم اَور بڑھ جاتا۔ پھر جب آپؐ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اگر صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ نہ چلے جاتے تو چونکہ مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اس ترقی کو دیکھ کر دشمن کا غصہ اَور بڑھ جاتا۔ جب دشمن اپنے مدِّ مقابل کو حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور ممکن ہے کہ ایک دن اس کی طاقت اتنی بڑھ جائے کہ وہ اِس کا مقابلہ نہ کر سکے تو وہ اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ کفار کی ایذارسانی کے باوجود جب مسلمان مکہ میں بڑھنے لگے اور مکہ والے خار کھانے لگے تو خداتعالیٰ سے حکم پا کر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کفار کو تھوڑے نظر آنے لگ گئے اور ان کا جوش کچھ عرصہ کے لیے فرو ہو گیا۔ لیکن جب پھر مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور کفار نے ایذارسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے صرف چند درجن تھے لیکن دوسرے دن دیکھا گیا کہ مکہ کے دو محلے خالی ہو گئے ہیں۔ گویا مکہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ظاہری طور پر اسلام نہیں لائے تھے لیکن دل سے مسلمان تھے اور وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ غرض جب مسلمانوں کے ایک حصہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ میں مسلمان پھر تھوڑے ہو گئے اور کفار کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد جب مکہ والوں نے دیکھا کہ اسلام اب مکہ سے باہر بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے تو ان میں نئی قسم کا جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ پس یہ مختلف تجاویز تھیں جن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمل کیا۔ اگر مسلمانوں کو ایذادہی پر ابتدا میں صبر کا حکم نہ ہوتا تو کفار چڑ جاتے اور ایذادہی میں بڑھ جاتے۔ پھر اگر حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم نہ ہوتا تو مسلمانوں کی تعداد مکہ میں بڑھ جاتی اور اس طرح کفار کا جوش بڑھ جاتا۔ پھر جب دوبارہ مسلمانوں کی تعداد مکہ میں بڑھ گئی تو آپؐ اُس وقت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم نہ دیتے تو کفار کا جوش اَور بھی زیادہ ہو جاتا وہ ایذادہی میں پہلے سے بھی بڑھ جاتے۔ پھر جب صنادیدِ عرب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر جب کفار نے مدینہ پر بھی حملہ کیا تو خدا تعالیٰ نے کہا تم ان سے لڑائی کرو۔ اُس وقت مسلمان اگر ہاتھ میں تسبیحیں پکڑ کر آیاتِ قرآنیہ کا ورد کرنا شروع کر دیتے تو انہوں نے تباہ ہو جانا تھا کیونکہ وہ وقت لڑائی کا تھا کسی اَور کام کا نہیں تھا۔ چنانچہ پہلے یہ حکم دیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ پھر ایک وقت کے بعد جا کر مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کا حکم ہوا اور پھر یہ حکم ہوا کہ دشمن کے گھروں پر جا کر ان پر حملہ کرو۔ اگر اُن تجاویز پر عمل نہ کیا جاتا تو مسلمان بھی ترقی

نہ کر سکتے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں صرف ایک ہی چیز پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی خرابی پیدا ہو، جب جماعت پر کوئی مصیبت اور تکلیف آئے تو چندہ دے دیا۔ لوگ جسمانی قربانی والے حصہ کی طرف توجہ نہیں کرتے حالانکہ خداتعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے میں نے مومنوں سے اُن کے مال اور جانیں دونوں چیزیں خرید لی ہیں بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ [1] اور اس کے بدلہ میں انہیں جنت دے دی ہے۔ پس صرف چندہ دینے سے کیا بنتا ہے؟ صرف چندہ والا تو خداتعالیٰ سے تمسخر کرتا ہے۔ گو چندہ دینے والے بھی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک اچھی پرسنٹیج (Percentage) ایسی ہے جو چندہ میں بھی کمزور ہے۔ اگر مجموعی طور پر قوم چندہ میں ترقی کر جائے تو ان کمزوروں کی اصلاح ہوسکتی ہے اور ان سے صرف ٹکر لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ مالی قربانیوں کے ساتھ ساتھ جسمانی قربانیاں بھی کی جائیں۔ اور جسمانی قربانی صرف چند مبلغ کر رہے ہیں جو بیرونی ممالک میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ پس تم اپنی ضروریات کو سمجھو۔ جماعت کی مخالفت بڑھ چکی ہے۔ جماعت کی مخالفت حکام اور ذمہ دار افسروں میں بھی بڑھ چکی ہے اور تمہاری جانیں محفوظ نہیں ہیں۔ اگر تم قومی طور پر کوئی تدبیر نہیں کرتے تو تم مر جاؤ گے۔ اگر تم بچاؤ کی تدبیر کرتے ہو اور جسمانی قربانی بھی مالی قربانی کی طرح پیش کر دیتے ہو تو تمہاری جانیں محفوظ ہو جائیں گی۔

دنیا میں معمولی معمولی جھگڑوں پر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہمیں جیلوں میں جانا پڑے تو ہم چلے جائیں گے۔ چنانچہ وہ گروہ در گروہ جیلوں میں چلے جاتے ہیں۔ آخر حکومت مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیتی ہے۔ گاندھی جی جیتے ہی اِس طرح تھے کہ وہ جب کوئی بات منوانا چاہتے تھے تو پندرہ بیس ہزار لوگوں کو قید کروا دیتے تھے۔ گورنمنٹ کے پاس محدود بجٹ ہوتا ہے۔ وہ اِس قدر قیدیوں کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی۔ پھر جیلوں کی حفاظت کے لیے پولیس رکھنی پڑتی ہے جس سے اس کا خرچ بڑھ جاتا ہے۔ اگر پچاس لاکھ روپیہ ماہوار بھی جیل خانوں پر خرچ ہو تو چھ کروڑ سالانہ خرچ بڑھ جاتا ہے اور اُس وقت ملک کی آمد اِس قدر نہیں تھی کہ وہ

اتنا بوجھ زائد اُٹھا سکیں۔ پھر ان ایجیٹیشنوں میں لوگوں پر لاٹھی چارج بھی کرنے پڑتے جس کی وجہ سے پولیس بڑھانی پڑتی تھی۔ اِس طرح دو ماہ میں ہی حکومت مطالبہ مان لیتی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بھی اِس طرح کرو کیونکہ میں گاندھی جی کے طریق کے خلاف تھا لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ تمہیں اِس کے متعلق اب سوچنا پڑے گا۔ اگر تم نے زندہ رہنا ہے تو تمہیں کوئی مناسب تدبیر نکالنی ہوگی۔ اور ہر احمدی کو اِس بات پر غور کرنا پڑے گا کہ کیا وہ احمدی رہنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر اُس نے احمدی رہنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ غور کر کے ایسی تدبیر نکالے جس سے اُس کی قوم کی عزت قائم ہو۔ وہ دوسرے لوگوں سے تبادلۂ خیالات کر کے کسی نتیجہ پر پہنچے۔

اب تو بے عملی کا یہ حال ہے کہ مجھ پر حملہ ہوا تو باہر والوں نے آ کر ربوہ والوں کو خوب گالیاں دیں اور کہا ربوہ والوں کی موجودگی میں خلیفہ پر حملہ ہو گیا ہے لیکن ہوا کیا؟ جماعت کے افراد نے شوریٰ میں تقریریں کیں اور پھر واپس چلے گئے۔ کسی ناظر کو آج تک یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ حفاظت کے لیے کوئی زائد آدمی رکھے اور نہ باہر والوں نے اس کی نگرانی کی، نہ آدمی پیش کیے۔ تین آدمیوں کو امور عامہ نے افسر کے طور پر بلانا چاہا لیکن اُن فدائیوں نے معذرت کر دی۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم اس ذمہ داری کے قابل نہیں۔ یعنی اب تو خلیفہ پر حملے ہونے لگے ہیں۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے ہم قابل نہیں۔ جب عمل کرنے کی ہمت نہیں تھی تو ریزولیوشن پاس کرنے کا کیا فائدہ تھا۔ ربوہ والوں کو بے حیا کہہ دینا آسان ہے لیکن عمل کرنا مشکل ہے۔ ربوہ والوں سے جو کوتاہی ہوئی اُس کا داغ تو اب جاتا نہیں۔ قادیان میں یہ ہوتا تھا کہ نماز میں پہلی دو تین صفوں میں معروف آدمیوں کو بٹھایا جاتا تھا۔ مولوی شیر علی صاحب خالص مذہبی آدمی تھے لیکن اِس بارہ میں وہ غلوّ کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ وہ مسجد میں پہنچتے ہی معروف لوگوں کو آگے بٹھانا شروع کر دیتے۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی مولوی تھے لیکن اُن میں یہ عادت تھی کہ مسجد میں جاتے ہی پہلی صفوں کا جائزہ لیتے اور غیر معروف لوگوں کو پیچھے کر دیتے۔ ہم پر فوج نے تو حملہ نہیں کرنا۔ اِکّا دُکّا بدمعاش اور بے ایمان ہی آئے گا اور شرارت کرے گا اور اِکّے دُکّے بدمعاش کا یہی علاج ہے کہ اگلی دو تین

صفوں میں کسی غیر معروف آدمی کو نہ بیٹھنے دو۔ اب یہ ہوا ہے کہ باہر والے تم کو گالیاں دے کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور تم نے شرم کے مارے گردن نیچے ڈال لی۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ کسی شاعر نے کہا ہے

عجب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالا جو بار اپنا

جماعت نے کہہ دیا کہ یہ لو چندہ اور اس سے کچھ جان قربان کرنے والے لوگ ملازم رکھ لو۔ ہم جانیں پیش نہیں کر سکتے۔ ہماری طرف سے چندہ لے لو۔ لیکن ہماری قوم نے اگر زندہ رہنا ہے تو اسے مالی قربانی کے ساتھ ساتھ جانی قربانی بھی کرنی پڑے گی۔ اور اگر اس نے مرنا ہی ہے تو شرافت کی موت یہ ہے کہ بزدلی اور ذلّت کو تسلیم کر لے اور مر جائے۔ کہتے ہیں کوئی پٹھان تھا اُس نے اپنی مونچھیں اونچی کر لیں اور بعد میں اتنا غلوّ کیا کہ وہ تلوار ہاتھ میں لے لیتا اور جس شخص کی مونچھیں اونچی دیکھتا اُسے کہتا تم اپنی مونچھیں نیچی کر لو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ مونچھیں اونچی رکھنے کا حق صرف مجھے ہے۔ لوگ اپنی عزت کو بچانے کی خاطر مونچھیں نیچی کر لیتے۔ کوئی غریب دکاندار تھا وہ روزانہ یہ نظارہ دیکھتا کہ وہ پٹھان تلوار ہاتھ میں لے کر نکل آتا ہے اور لوگ عزت کو بچانے کی خاطر اپنی مونچھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ اُس نے خیال کیا کہ ابھی تک اسے کسی نے سبق نہیں دیا۔ اُس نے چھابڑی اُٹھا لی اور گھر چلا گیا اور کچھ دنوں تک گھر ہی رہا اور مونچھوں پر چربی لگاتا رہا۔ جب مونچھیں بڑھ گئیں تو اس نے تلوار کمر میں باندھ لی اور باہر نکل آیا۔ لوگوں نے اُس پٹھان کو اطلاع دی کہ ایک اَور شخص اونچی مونچھوں والا آیا ہے۔ چنانچہ پٹھان تلوار لے کر باہر آ گیا اور اس دکاندار سے کہنے لگا۔ تم نے اپنی مونچھیں اونچی کیوں رکھی ہیں؟ اُس نے کہا مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔ پٹھان نے کہا تمہارا حق نہیں میرا حق ہے۔ دکاندار نے کہا میں تو اپنی مونچھیں اونچی رکھوں گا۔ پٹھان نے کہا اگر تم میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں تو تمہیں مجھ سے لڑنا ہوگا۔ دکاندار نے کہا اچھا لڑ لو۔ پٹھان نے کہا لڑائی کے لیے وقت مقرر کر لو۔ دکاندار نے کہا کر لو۔ لیکن ایک بات ہے۔ ہم میں سے ایک نے ضرور مرنا ہے اور اس کے بچوں نے یتیم رہ جانا ہے حالانکہ اُن کا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ لڑائی سے پہلے تم اپنے بیوی بچوں کو مار آؤ اور میں اپنی بیوی بچوں کو مار آتا

ہوں تا کہ بعد میں ہماری موت سے اُن کو تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ پٹھان اپنے گھر گیا اور اُس نے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ اس دکاندار کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا میں تو اپنے بیوی بچوں کو مار آیا ہوں۔ کیا تم بھی مار آئے ہو؟ اُس نے کہا نہیں۔ میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے اور میں اپنی مونچھیں نیچی کر لیتا ہوں اور اپنی مونچھیں نیچی کر لیں۔

اِسی طرح اگر تم نے زندہ رہنا ہے تو تمہیں کچھ کام کر کے دکھانا ہو گا۔ اس کے بغیر زندہ رہنے کا خیال بالکل غلط ہے۔ جماعت کو اب ان باتوں پر غور کرنا چاہیے، ان کا علاج سوچنا چاہیے اور پھر اس پر دوسرے ساتھیوں سے بحث کرنی چاہیے اور تبادلۂ خیالات سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہیے۔ اگر تم عملی طور پر جدوجہد نہ کرو گے تو تم ذلّت کی موت مرو گے۔ لیکن اگر تم زندہ رہنے کا صحیح طریق اختیار کرو گے تو خداتعالیٰ تمہیں مرنے نہیں دے گا۔ اور اگر مرو گے بھی تو خداتعالیٰ کی رحمت تمہارے شاملِ حال ہو گی۔ لیکن دوسری صورت میں دنیا کے لوگ بھی تم پر لعنت کریں گے اور خداتعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی تم پر لعنت بھیجیں گے۔

پس تم اپنے حالات پر غور کر کے صحیح لائن اختیار کرو۔ یاد رکھو! جو کام خداتعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے وہ تم ہی کرو گے۔ خداتعالیٰ نے نہیں کرنا۔ اور جو کام خداتعالیٰ کے سپرد ہیں وہ خداتعالیٰ خود کرے گا۔ جب تم اپنی جان، مال، آبرو اور ہر عزیز چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے اور قرآن کی ہدایتوں پر عمل کرو گے تو پھر جو کسر باقی رہ جائے گی خداتعالیٰ اُسے پورا کر دے گا۔ لیکن اگر تم قرآن کریم کے سب احکام پر عمل نہ کرو اور صرف چندہ دینا کافی سمجھو تو اِس جہان میں بھی تم پر لعنت ہو گی اور آخرت میں بھی تم پر لعنت ہو گی۔ پس تم اپنے حالات کے ہر پہلو پر غور کرو اور قرآن کریم پر غور کر کے تدابیر سوچو۔ پھر دوسروں سے تبادلۂ خیالات کر کے کسی نتیجہ پر پہنچو۔ قرآن کریم تمہارے پاس ہے۔ اس میں جائز قانون کے مطابق لڑائی کرنے کا طریق بھی موجود ہے۔ اس میں جائز قانون کے مطابق صبر کرنے کا طریق بھی موجود ہے۔ اس میں جائز قانون کے مطابق عفو کرنے کا طریق بھی موجود ہے۔ اس میں جائز قانون کے مطابق اعتراضات کے جواب دینے کا

طریق بھی موجود ہے۔ جب تم قرآن کریم کے بیان کردہ طریقوں پر پوری طرح عمل کرو گے جس میں ہر قسم کے جائز اور درست علاج موجود ہیں تو پھر اگر کوئی کسر باقی رہ جائے گی تو اُسے خداتعالیٰ پورا کر دے گا۔ لیکن تمہارا یہ طریق درست نہیں کہ عملی طور پر تو کچھ نہ کرو، قرآن پر غور نہ کرو، نہ اس کی ہدایات کو سمجھنے کی کوشش کرو صرف چندہ دے دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو دنیا میں بھی تمہارے لیے ذلّت ہے اور آخرت میں بھی تمہارے لیے ذلّت ہے اور اس ذلّت سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ اس ذلّت سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا تو اِس میں خداتعالیٰ بھی آ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو میں تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ پس تم اپنے طریقِ عمل کو درست کرو اور جلد جلد درست کرو ورنہ جماعت کے لیے آفات اور مصائب کے رستے کھلتے چلے جائیں گے"۔

(الفضل 15 جون 1954ء)

---

1 : اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبة:111)